ڈاکٹر سلیم سہیل (محمد اقبال)
اسسٹنٹ پروفیسر اردو،
ایف۔جی قائداعظم ڈگری کالج، سیکیم تھری، چکلالہ کینٹ، روالپنڈی

داستان امیر حمزہ : ایک تعارف

Dastan Amir Hamza, as a narrative, exists on two levels. One is mundane and realistic, where Amir Hamza struggles against worldly enemies and moors through a familiar world. The other is in which he goes to KohQaf to battle with giants and ogres and becomes intimate with fairies. He also conquers tilisms which are in themselves wonderlands inhabited by magicians and witches.

دنیا میں بسنے والے لوگوں کی تہذیبی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو ایک بات شدت سے محسوس ہوگی کہ ہر کسی کے پاس کوئی نہ کوئی ایسا تہذیبی سرمایہ موجود ہے جس کے دوش پر وہ قومیں قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ دنیا کی بڑی بڑی تہذیبوں میں جہاں دیگر بہت سے عناصر دیکھنے کو ملتے ہیں وہاں ادب اور فنون لطیفہ کی اپنی ایک اہمیت ہے۔یونان، روم، مصر، چین، غرض جتنی بھی بڑی تہذیبیں ہیں ان کے پاس اپنا اپنا علمی سرمایہ ہے جس کی وہ نسلوں سے حفاظت کر رہے ہیں ۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ برعظیم کے پاس وہ کون سا تہذیبی فخر ہے جسے وہ دوسری قوموں کے سامنے رکھ سکتا ہے۔ خاص طور پر اردو زبان و ادب کے اعتبار سے بات کی جائے تو ناول ،افسانہ، ڈرامہ، نظم ،ایسی اصناف نہیں ہیں جنھیں خالصتاً مشرق اپنی صنف قرار دیا جا سکے۔مشرق اگر قوموں کے ساتھ اعتماد اور اعتبار سے کھڑا ہو سکتا ہے تو وہ غزل ،مثنوی، قصیدہ، مرثیہ، رباعی اور داستان کے زور پر اپنی شناخت کروا سکتا ہے ،اگر اس فہرست میں سے واقعتاً سرمایۂ افتخار نکالا جائے تو وہ داستان اور غزل ہے جس میں ہماری مشرقی دانش کا اظہار ہوتا ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ ہم نے اپنے تہذیبی افتخار کے ساتھ کیا کیا ،غزل تو خیر کسی نہ کسی صورت میں موجود ہے، مثنوی، قصیدہ، مرثیہ، رباعی تو اب قصہ پارینہ ہوگئے، جی ہاں، داستان کے ساتھ ہمارا رویہ کسی صورت مناسب نہیں رہا۔ پتا نہیں یہ ہماری آرام پسندی کا نتیجہ تھا یا نئی روشنی کا عطیہ کہ ہم اپنا ماضی بھول گئے۔ ہمارے پاس بلا شبہ داستان کی صورت میں ایسا نثری سرمایہ موجود تھا جس کی ہم نے حفاظت نہیں کی اور اس سرمائے کو ہم نے درخور اعتناء نہیں سمجھا ،داستان امیر حمزہ جسے آج کے زمانے میں محترم شمس الرحمٰن فاروقی نے اپنے مطالعے کا مرکز بنایا ہے اور اس کے اعتبار سے اپنی بے مثال تحقیق ساحری ،شاہی صاحبقرانی کی صورت میں پیش کی، جس کی چار جلدیں منظر عام پر آ چکی ہیں۔شمس الرحمٰن فاروقی نے آج کے پڑھنے والے کو احساس دلایا کہ تم کتنے بڑے تہذیبی حافظے کے مالک ہو۔ یہ بات بھی یہاں بیان کرنا دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا کہ اس طرف ان کی توجہ فرانسس پرچٹ نے مبذول کروائی جو امریکی ہے ۔

''لیکن میں اپنے بارے میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ داستان سے میری بے خبری صرف اور صرف کم علمی پر تھی ۔اس افسوسناک صورتحال کی اصلاح کے لیے میں کولمبیا یونیورسٹی کی ڈاکٹر فرانسس پرچٹ کا ممنون رہوں گا کہ انھوں نے مجھے داستان کی طرف با اصرار متوجہ کیا۔'' (۱)

یہ بات بھی دھیان میں ہے کہ موسیوں گالاں اگر سند باد جہازی کا قصہ ترجمہ کر کے فرانس میں نہ چھاپتا تو آج جے آر ٹالکین اور جے کے رولنگ کے ناول ہیری پوٹر جیسی توانا تخیل کی حامل تحریریں شاید نہ ہوتیں۔

''ایک دن یہ وہاں کسی کتب خانے میں بیٹھا مشرق کے علمی و ادبی نوادر کا جائزہ لے رہا تھا کہ اتفاق نے اس کے ہاتھوں میں حکایات کا ایک چھوٹا سا مجموعہ تھما دیا کہ جس کا عنوان تھا ''سند باد'' کہانیاں بہت پر لطف اور انوکھی طرز کی تھیں جن میں مہم جوئی کے ہیجان خیز واقعات تھے سسپنس تھا،....اس نے یہ کتابچہ استفادے کی خاطر لے لیا اور زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ فرانس کے نونہالوں کے لیے فرانسیسی زبان میں ایک نہایت دلچسپ کتاب ''حکایات سند باد'' کے نام سے منظر عام پر آ گئی جو اس کی صاحب زادی مس مرکیز کے معنون تھی''(۲)

داستان امیر حمزہ بلاشبہ ہمارا تہذیبی حافظہ ہے۔ ایسی یادداشت جو ہمیں ہمارے ماضی میں جھانکنے کا موقع دیتی ہے۔ یہ بات اپنی جگہ پر اہم ہے کہ اٹھارویں صدی میں ہمارے پاس اتنا بڑا سرمایہ موجود تھا ۔مغرب تو آج کے دور میں طویل تخلیقات کی مدد سے ہمیں حیران کر رہا ہے ،ہم اس طرز کی تخلیقی صلاحیت کا اظہار دو سو سال پہلے کر چکے ہیں۔داستان امیر حمزہ کے کوائف پر مختصراً توجہ دی جائے تو یہ چھیالیس جلدوں پر مشتمل ہے۔ یہ جلدیں اپنی ضخامت کے اعتبار سے کم نہیں بلکہ تقریباً پینتالیس ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔داستان امیر حمزہ کی تفصیل درج ذیل ہے :

(۱) نوشیرواں نامہ(دو جلدیں)

(۲) ہرمز نامہ

(۳) ہومان نامہ

(۴) کوچک باختر

(۵) بالا اختر

(۶) ایرج نامہ(دو جلدیں)

(۷) طلسم ہوشربا (سات جلدیں)

(۸) صندلی نامہ

(۹) تورج نامہ(دو جلدیں)

(۱۰) لعل نامہ (دو جلدیں)

(۱۱) دفتر آفتاب شجاعت (پانچ جلدیں)

(۱۲) گلستان باختر (تین جلدیں)

(۱۳) بقیہ طلسم ہوشربا (دو جلدیں)

(۱۴) طلسم نورافشاں (تین جلدیں)

(۱۵) طلسم ہفت پیکر (تین جلدیں)

(۱۶) طلسم خیال سکندری (تین جلدیں)

(۱۷) طلسم نوخیز جمشیدی (تین جلدیں)

(۱۸) طلسم زعفران زار سلیمانی (دو جلدیں)

ان داستانی متون کی تفصیل دیکھ کر احساس ہوتا ہے کہ ہمارا کل ہمارے آج سے کتنا روشن اور کتنا شاداب تھا اور ایسا کیوں نہ ہوتا ایسا تو ہونا ہی تھا وجہ اس کی یہ ہے کہ جب سے یہ داستانیں چھپنا شروع ہوئیں ہمارے ہاں کسی کو یہ توفیق نہیں ہوئی کہ انھیں ایک جگہ محفوظ ہی کر دے۔ اگر یہ داستانیں کسی جگہ محفوظ ہیں تو وہ دو مقامات ہیں: ایک تو امریکہ میں کولمبیا یونیورسٹی کی ایک لائبریری میں ان متون کی مائیکروفلم کی صورت میں اور دوسرا اردو کے ادیب جناب شمس الرحمٰن فاروقی کے کتب خانے میں ۔ہمارے ملک میں چند سال پہلے امریکہ سے وہ مائیکروفلمیں مستعار لے کر جی سی یونیورسٹی لاہور کے کتب خانے میں محفوظ کر دی گئی ہیں ۔

ان نثری متون کے حوالے سے شمس الرحمٰن فاروقی کا خیال ہے کہ اردو دنیا میں وہ شاید پہلے آدمی ہیں جنھوں نے ان داستانوں کا مطالعہ کیا ہے ۔اس میں کیا شک ہوسکتا ہے؛ چونکہ یہ تمام جلدیں انھی کے کتب خانے میں مطبوعہ حالت میں محفوظ ہیں۔شمس الرحمٰن فاروقی نے اپنی کتاب ساحری، شاہی صاحب قرانی میں کئی جگہوں پر داستان امیر حمزہ کے کرداروں کے مختلف پہلوؤں سے متعارف کروانے کی سعی کی ہے ۔ یہاں ہم وہ کلیت میں داستان امیر حمزہ کی کہانی سے واقفیت کی کوشش کرتے ہیں، اس تلخیص میں فارسی ادبیات کے ایک نقاد محمود امید سالار کے مضمون ''حمزہ نامہ، یکی از حماسہ ہائی عامیانہ منشور فارسی در شرح احوال امیر حمزہ و جنگھای او'' سے مدد لی گئی ہے ۔

داستان امیر حمزہ ۶۹ داستانوں پر مشتمل داستان ہے جس کا آغاز قباد کے وزیر القش سے ہوتا تھا جس نے برزجمہر کے والد کو قتل کر دیا تھا۔ برزجمہر انتقام کی اس آگ کو دل میں رکھتا ہے اور کسی نہ کسی طریقے سے قباد کے دربار تک اپنی رسائی ممکن بنا لیتا ہے ۔اپنی حکمت اور لیاقت کے بل بوتے پر برزجمہر اپنے والد کا بدلہ لینے کے بعد القش کا جانشیں بن جاتا ہے۔

قباد جو سلطنت کا مالک ہے، اس کے ہاں بیٹا پیدا ہوتا ہے وہ اپنے بیٹے کا نام نوشیرواں رکھتا ہے۔ ادھر القش کی بیوہ سے بیٹا پیدا ہوتا ہے جس کا نام بختک رکھا جاتا ہے ۔جس طرح ان معاشروں کا دستور تھا کہ اولاد کے پیدا ہونے سے پہلے ہی اس کے مقدر کا حال معلوم کروانے کے لیے نجومیوں اور رمالوں سے مدد لی جاتی تھی ۔نوشیرواں کی پیدائش کے ساتھ برزجمہر پیش گوئی کرتا ہے کہ نوشیرواں کا دشمن ملک عرب میں پیدا ہوگا۔ قباد اس خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے اور اپنے بیٹے کے تحفظ کے لیے برزجمہر کو مکہ بھیج دیتا ہے تا کہ وہ نوشیرواں کے ہونے والے دشمن کا خاتمہ کر دے۔

مکہ میں عبدالمطلب کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوتا ہے جس کا نام حمزہ رکھا جاتا ہے ۔حمزہ کے ساتھ امیہ ضمیری کے ہاں بھی ایک بیٹا پیدا ہوتا ہے جسے عمرو کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔ ۔عمرو اور حمزہ کی پرورش ساتھ ساتھ ہوتی ہے ۔اس کے بعد قباد فوت ہو جاتا ہے اور نوشیرواں اس کا جانشیں اور بختک نوشیرواں کا وزیر بن جاتا ہے ۔

اب نوشیرواں اور حمزہ بن عبدالمطلب ایک دوسرے کے سخت دشمن ہیں۔ یہ دشمنی مزید رنگ بدلتی ہے جب حمزہ اور نوشیرواں کی بیٹی مہر نگار میں محبت کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں یہ محبت ڈھکی چھپی نہیں رہتی اور دونوں کی محبت کا راز فاش ہو جاتا ہے ۔حمزہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ بھاگ جاتا ہے ۔بختک نوشیرواں کو مشورہ دیتا ہے کہ حمزہ سے جان چھڑانے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ تم اس سے یہ تقاضا کرو کہ اگر وہ لندھور جیسے جری بہادر پہلوان کا سر لے آئے تو مہر نگار کا عقد تم سے کر دیا جائے گا۔ حمزہ اس مہم پر کمر کستا ہے اور آخر کار لندھور کو گرفتار کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ نوشیرواں کی گھبراہٹ میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ نوشیرواں یہ سوچ کر حمزہ کو لندھور کے مقابلے کے لیے بھیجتا ہے کہ نہ لندھور گرفتار ہوگا اور نہ ہی وہ اپنی بیٹی اپنے دشمن کے سپرد کرے گا ۔سو نوشیرواں اپنے عہد سے مکر جاتا ہے اور حمزہ کی مہر نگار سے شادی کے لیے تیار نہیں ہوتا اور جھوٹ بولتا ہے کہ مہر نگار اب اس دنیا میں نہیں رہی۔ اس کی اس کذب بیانی کا پول جلد ہی کھل جاتا ہے بختك حمزہ کے لیے ایک نیا محاذ تیار کرتا ہے وہ نوشیرواں کو مشورہ دیتا ہے کہ آپ حمزہ کو روم ومصر و شام کے خراج کے لیے بھیج دیں ۔حمزہ راستے میں ہی مرکھپ جائے گا اور ہم اپنے دشمن سے چھٹکارا حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاہیں گے ،حمزہ مصریوں کو شکست دیتا ہے اور ایک مصری کی بیٹی سے شادی کر لیتا ہے۔ حمزہ مدائن میں بھی حاضری دیتا ہے لیکن بادشاہ نوشیرواں اپنی بیٹی مہر نگار کی شادی کسی بھی صورت حمزہ سے کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا ۔حمزہ عمرو کے ساتھ ہر وقت جنگوں پر جنگیں اور معرکوں پر معرکے مارنے کے لیے ہمہ وقت تیار ہے ۔ان معرکوں میں حمزہ پریوں کی فرمائش پر ان کے علاقے سے جنوں بھوتوں کا صفایا کرتا ہے ۔حمزہ ایک پری پر عاشق ہو جاتا ہے اور اسی پری سے شادی کر لیتا ہے۔ آسمان پری سے ایک بیٹی پیدا ہوتی ہے جس کا نام قریشہ رکھا جاتا ہے امیر حمزہ کی مصری بیوی سے ایک بیٹا پیدا ہوتا ہے جس کا نام عمر رکھا جاتا ہے ۔ان تمام شادیوں اور اولادوں کے باوجود حمزہ کسی صورت نوشیرواں کی بیٹی مہر نگار کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں۔ کئی طرح کی خطرناکیاں ،طلسمات، دیو، جن، بھوت، چھل پیریاں ،اژدہے حمزہ کے لیے سوہان روح بنے ہوتے

ہیں۔حمزہ ہمت نہیں ہارتا اور ان سے لڑتا رہتا ہے ۔آخر کار حمزہ کی شادی مہر نگار سے ہو جاتی ہے لیکن عجیب پیچ پڑتا ہے کہ مہر نگار زو بین کاؤس سے زخم کھاتی ہے جس سے اس کی موت واقع ہو جاتی ہے۔حمزہ اس غم کو برداشت نہیں کر پاتا اور پاگل ہوجاتا ہے۔۲۱دن کے پاگل پن کے بعد حمزہ کی طبیعت سنبھل جاتی ہے اور وہ دوبارہ اپنے معرکوں کے لیے تیار ہو جاتا ہے ۔

حمزہ اس کے بعد کنجال گیلانی کی بیٹی سے شادی کرتا ہے جس کا نام گلبیلپسوار ہے ۔اس نکاح کے بعد حمزہ ایک اور شادی مہر نگار کی بہن مہر افروز سے کرتا ہے ۔اس کے ساتھ ساتھ جنگوں کا سلسلہ چلتا رہتا ہے ۔نوشیرواں کا بیٹا ہرمز اپنے باپ کا نائب بن جاتا ہے ،حمزہ شادیوں اور جنگوں میں مصروف مکہ کا رخ کرتا ہے ، وہاں اس کی ملاقات حضورﷺ سے ہوجاتی ہے۔حمزہ حضرت ابراہیم کے مذہب کو قبول کر لیتا ہے ،حمزہ روم ومصر و شام کی جنگوں کے نتیجے میں بورھند رومی کو مار دیتا ہے۔ھند جو پورھند کی ماں ہے ،ہرمز کو حمزہ کے مقابلے کے لیے تیار کرتی ہے تا کہ وہ اپنے بیٹے کے قتل کا بدلہ لے سکے ،حمزہ کے ساتھی ہرمز کے ساتھ جنگ میں مارے جاتے ہیں ،ھند مکروفریب کے ساتھ حمزہ کے گھوڑے کو بلاتی ہے اس عیاری میں وہ کامیاب ہو جاتی ہے اور حمزہ کے جسم کو پارہ پارہ کر کے اس کا کلیجہ چباتی ہے ۔اس وارادات کے بعد ھند حضور کے دربار عالیہ میں پہنچ جاتی ہے۔آپ تقاضا فرماتے ہیں کہ مجھے امیر حمزہ کا پیکر دکھاؤ،تمام حال جاننے کے بعد آپ حمزہ کا جنازہ پڑھاتے ہیں۔ ھند توبہ کر لیتی ہے اور کسی بھی ظلم سے تائب ہو جاتی ہے ۔پریاں اور امیر حمزہ کی بیٹی قریشہ بدلہ لینے کا ارادہ کرتی ہے مگر حضور منع فرما دیتے ہیں۔آخر میں حضرت علی اور حضور کے فرامین کے بعد یہ داستان ختم ہو جاتی ہے ۔

داستان امیر حمزہ کی تخلیق کے حوالے سے ناقدین ادب نے اپنی اپنی سمجھ کے مطابق اپنے اپنے تحقیقی مقالات میں تفصیل بیان کی ہے ،حضرت حمزہ کے بارے میں یہ واضح نہیں ہو سکا کہ یہ حضور کے خاندان سے ہیں یا عرب کے کسی اور باشندے کا نام ہے ۔ایک ایرانی عالم صفا کا خیال ہے کہ حمزہ نامہ دراصل حمزہ بن عبداللہ خارجی جو حمزہ آذرک کے نام سے معروف ہیں، کا قصہ ہے۔حمزہ خراسان اور سیستان کا امیر المومنین تھا۔حمزہ کی بہادری اور عباسیوں کے ساتھ لڑائیوں کے قصے مشہور تھے ۔یہی حکایات اور داستانیں حمزہ سے منسوب ہوگئیں۔صفا کے مطابق یہ ایک اسمی اشتراک کے علاوہ کچھ اور نہیں ،ان زبانی روایات کا سیدالشہدا سے منسوب ہو جانا کوئی بڑی دلیل ہرگز نہیں ۔اس کے علاوہ امیر حمزہ کی کہانی کے نمایاں کرداروں میں نوشیرواں اور برزجمہر کو دیکھا جائے تو ان کا تعلق حضرت امیر حمزہ کی زندگی سے بنتا ہے کیونکہ یہ ایک عہد کے نام ہیں۔حمزہ آذرک کے ساتھ ان تاریخی کرداروں کا تعلق کسی صورت نہیں بنتا۔

چند ایسی تحریریں موجود ہیں جن کی مدد سے ہم یہ جان سکتے ہیں کہ اس مقابلے کی نوعیت کیا ہے ،رموز حمزہ ،امیر حمزہ ،صاحب قرآن اور اسمار الحمزہ میں ملا علی خان شکر ریز نے صفا کے خیالات کی تصدیق کی ہے۔داستان امیر حمزہ صرف ایران تک مخصوص نہیں بلکہ ترکی اور براعظم میں اس داستان کے موجود ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ پنجابی ادب میں حمزہ کے

حوالے سے ایک منظوم حماسہ موجود ہے ۔

شاہ نامہ فردوسی ان جنگ ناموں میں کسی نہ کسی صورت میں موجود ہے ۔ان جنگ ناموں میں اسلام کے بزرگوں کی بہادریوں کے تذکرے ملتے ہیں ،حمزہ کی جنگ بھی انھی واقعات سے مماثلت رکھتی ہے۔ اکبر شاہ گورگانی کو اس قصے سے خصوصی محبت تھی ۔اس نے کچھ خوش خطوں کو اس کام پر مامور کیا کہ وہ داستان کو خوش خطی سے لکھیں ۔ایرانی مصوروں کو تصویریں بنانے پر مامور کیا۔تبریز نے اس کام کو مکمل کیا۔حمزہ نامہ کی ۲۴۰۰ تصاویر ہیں ۔

''جن کتابوں کو عہد اکبری میں تصاویر سے مزین کیا گیا ان میں سے قصہ امیر حمزہ کو بے حد اہمیت حاصل ہے۔اس اعتبار سے کہ سب سے پہلے اسی پر کام ہوا اور عہد اکبری کے بہترین ہنر وروں میر سید علی اور خواجہ عبد الصمد کی نگرانی میں چند درجن مصوروں کی سعی پیہم سے یہ کام کئی برس کے بعد ختم ہوا۔''(۳)

ایران میں اس داستان کی شہرت چند نئی باتوں کے حوالے سے ہے۔خاص طور پر نقالوں کے اسلوب کے اعتبار سے، جس طرح وہ اس قصے کی نمائش کرتے تھے ۔صفا کا خیال ہے (جس کی بعد میں مخالفت کی گئی) کہ اس داستان میں عربوں کی آمد کے بعد ایرانی پہلوانوں کی جگہ عرب پہلوانوں نے لے لی تھی کیوں کہ وہ فاتح تھے۔معترضین کا خیال ہے کہ ایسا ہرگز نہیں، ایرانی بعد میں بھی اپنے پہلوانوں کو اسی طرح سراہتے رہے ۔

عبدالنبی فخرالزمانی قزوینی جو تذکرہ میخانہ کے مولف ہیں ،نے دستورالفصحا کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی تاکہ اس کی مدد سے امیر حمزہ کے قصہ کو پڑھا جائے (یہ کتاب اس نام سے اب دستیاب نہیں اس وجہ سے مصنف نے ایک اور نام سے اسے طراز الاخبار کے نام سے محفوظ کیا ہوا ہے)۔شفیعی کدکنی کے مطابق ''بوطیقای حکایت وقصہ'' فارسی زبان میں لکھی گئی، ایسی کتاب ہے جسے حرف بہ حرف پڑھے بغیر امیر حمزہ کا قصہ سمجھ میں نہیں آ سکتا ۔فخرالزمان قزوینی نے اپنی کتاب کے پانچویں باب میں لکھا ہے کہ امیر حمزہ کی کہانی چار طرزوں پر مشتمل ہے ۔

(۱) طرز مردم توران

(۲) طرز ہندوستان

(۳) طرز ایران

(۴) طرز روم

جامعہ تہران میں حمزہ نامہ جعفر شعار کی مدد سے ۱۳۴۷میں دو جلدوں میں چھپا ۔اس اشاعت کے پندرہ سال بعد یہی قصہ کچھ ترامیم واضافے کے ساتھ دوبارہ چھپا۔امیر حمزہ کا قصہ ،خاص طور پر مسلمانوں میں ،نظم ہو یا نثر ہر صنف میں موجود رہا ہے ۔اس فرق کے ساتھ کہ مختلف علاقوں میں اس کے نام مختلف رہے ہیں ۔عربی روایت میں یہ قصہ ''قصۃ الامیر حمزۃ البھلوان'' کے نام سے مصر،قاہرہ میں منظر عام پر آیا۔ہندوستانی روایت میں یہ قصہ مختلف جلدوں کی صورت میں

چھپا۔ اردو زبان میں ۱۸۸۱ء سے ۱۹۱۵ء میں یہی قصہ دفاتر داستانِ امیر حمزہ کے نام سے منشی نول کشور کے مطبع خانہ میں چھپا۔ اس قصے کی اصل داستان جو عربی میں ہے دراصل فارسی کی روایت سے لی گئی ہے۔مثلاً نوشیرواں کی بیٹی مہر نگار کا نام فارسی سے عربی میں بدل کر مہر نگار رکھا گیا ہے۔اسی طرح فرید کی بجائے فرھاد کا نام استعمال کیا گیا ہے درج بالا مثالیں اس قصے کو فارسی الاصل ہونے میں مدد دیتی ہیں۔ جہاں تک داستان امیر حمزہ کی تفہیم کا تعلق ہے اس ضمن میں کچھ باتیں ایسی ہیں جن کا بیان کر دینا ضروری ہے اور ان نکات کی مدد سے قاری کو یہ جاننے میں مدد مل سکے گی کہ یہ داستان امیر حمزہ سے قارئین کی دوری کی کیا وجہ ہے۔ پہلا سچ تو یہ ہے کہ داستان امیر حمزہ ،جس کے بارے میں بتایا جا چکا ہے کہ یہ چھیالیس جلدوں پر مشتمل داستان ہے۔اور یہ جلدیں اپنی ضخامت کے اعتبار سے چھوٹی نہیں بلکہ بڑے سائز کے پینتالیس سے پچاس ہزار صفحات پر محیط ہے۔ بدقسمتی سے اس داستان کی اکثر جلدوں کو صرف ایک ہی بار چھاپے خانے کا منہ دیکھنا نصیب ہوا۔ ان میں اگر کسی سلسلے کو ایک سے زیادہ دفعہ چھپنے کا اعزاز حاصل ہو سکا تو وہ طلسم ہوشربا ہے جو سات جلدوں پر مشتمل ہے۔باقی جلدیں شاید آج کل کے جدید دانشوروں کی ترجیحات کا حصہ نہیں بن سکیں۔ان تمام داستانوں کا اپنی کلیت میں دوبارہ نہ چھپنا ایک لحاظ سے ہماری ادبی اور تہذیبی حرماں نصیبی ہے جس کے سرکاری اور نجی اشاعتی ادارے دونوں قصور وار ہیں۔اس صورتحال میں داستان امیر حمزہ کو ئی کیسے پڑھتا (پڑھنے کے لیے کسی بھی متن کا مطبوعہ حالت میں ہونا ضروری ہوتا ہے)۔ اردو دنیا میں جناب شمس الرحمٰن فاروقی ایسی شخصیت ہیں جن کے پاس یہ تمام چھیالیس جلدیں موجود ہیں۔

> ''چونکہ میرا خیال تھا کہ میں کبھی نہ کبھی داستان پر کام کروں گا،اور اگر نہ کر سکا تو بھی داستان کی ان نادر سے نایاب ہو تی ہوئی جلدوں کو اکٹھا کر لینا ضروری ہے ،اس لیے میں نے ۱۹۸۱میں داستان کی جلدیں خریدنا اور دور نزدیک سے انھیں حاصل کر کے جمع کرنا شروع کیا۔ خدائے واہب العطایا کے کرم سے یہ کام ۱۹۹۶ء میں مکمل ہو گیا۔میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ شکاگو یونیورسٹی کی مائیکرو فلم لائبریری کے علاوہ صرف میرا ذخیرہ ایسا ہے جس میں داستان امیر حمزہ کی تمام چھیالیس جلدیں اور بعض کے کئی کئی نسخے موجود ہیں۔''(۴)

شمس الرحمٰن فاروقی داستان امیر حمزہ کی تمام جلدیں اکٹھی کرنے کے بعد انھیں بھول نہیں گئے بلکہ اس خیال کا انھوں نے لکھ کر اظہار کیا ہے کہ وہ شاید اردو ادب میں وہ واحد شخص ہیں جنھوں نے مکمل چھیالیس جلدوں کا مطالعہ کیا ہے۔

> ''داستان کی جلدوں کو حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ میں انھیں پڑھ کر یادداشتیں بھی لکھتا گیا۔بعض جلدیں دوبارہ ،سہ بارہ پڑھیں۔(داستان امیر حمزہ کی تمام جلدیں پڑھ ڈالنے والا میں آج شاید اکیلا شخص ہوں)۔''(۵)

آج کے اردو ادب کے قاری کی رسائی اگر داستان امیر حمزہ تک ہے تو وہ طلسم ہوشربا یا اس کے علاوہ داستان امیر

حمزہ کی چند جلدوں مثلاً ایرج نامہ، تورج نامہ، ہرمز نامہ تک محدود ہے۔ سو آج کا قاری داستان امیر حمزہ کے بارے میں کچھ بات کر سکتا ہے تو انھیں درج بالا جلدوں کی وجہ سے ایسا کرنے کے قابل ہوا ہے۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ فاروقی، شمس الرحمٰن،، شاعری ، ساحری ، صاحبقرانی ، قومی کونسل برائے فروغِ زبانِ اُردو ، دہلی، ۱۹۹۹ء، ص۱۲

۲۔ محمد کاظم، عربی ادب میں مطالعے ، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۰ء، ص۱۰

۳۔ محمد شفیع، مولوی، مقالات مولوی محمد شفیع ، جلد دوم، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۷۲ء، ص۸۲، ۸۳

۴۔ فاروقی، شمس الرحمٰن،، شاعری ، ساحری ، صاحبقرانی ، قومی کونسل برائے فروغِ زبانِ اُردو ، دہلی، ۱۹۹۹ء، ص۱۲، ۱۳

۵۔ ایضاً، ص۱۳